ڈاکٹر دلشاد بیگم
پرنسپل گورنمنٹ گرلز کالج پشاور

اسلامی نظام عدل

اسلام عدل واحسان پر مبنی معاشرے کی تشکیل کا حکم دیتا ہے' پیغمبر اسلام رحمت عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی وہ اپنی ہئیت میں کاملاً ایک فلاحی ریاست تھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اسلامی ریاست کا منتہائے نظر عدل وانصاف کو قرار دیا گیا۔ قرآن میں آتا ہے:

''ہم نے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کیلئے فائدے ہیں'' (سورۃ الحدید: ۲۵:۵۷)(۱)

اس آیت کریمہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ مشن بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی زمین پر اس کے احکامات کی روشنی میں نظام عدل قائم کریں اور لوگوں کو اسلام کے متوازن اور ہمہ گیر نظام کی طرف دعوت دیں' اور عدل اجتماعی کو قائم کرنے کے لئے بروئے کار لائیں آقائے دوجہاںؐ نے سرزمین عرب میں جو ریاست قائم فرمائی۔ بنیادی طور پر وہ ایک فلاحی ریاست تھی اور اس کی ہئیت ترکیبی میں عدل وانصاف کی بنیادی خصوصیت تھی' ایک فلاحی ریاست کے لحاظ سے عدل اجتماعی اس کی بنیادی ترجیحات میں شامل تھا بلکہ منصف اور عادل نبیؐ نے اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد ہی عدل پر رکھی۔ اس لئے آپؐ سے بڑھ کر اس حقیقت کا کون شناسا ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عدل ہی پر کائنات کا نظام استوار کیا ہے۔ خالق حقیقی نے کارخانہ ہست وبود کو عدم سے وجود میں لا کر اس کے اندر عدل کی روح کو سمودیا' اگر خدائے عادل اس کے ظہور وترتیب میں اپنی صفت عدل کو نہ سمودیتا تو اس کے عناصر ایک صحرا کے ذروں کی طرح منتشر ہوجاتے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست کے مکین اپنے معاملات میں ریاست کے مدبر اعظم اور منتظم اعلیٰ کے عدل سے رجوع کرتے اور آپ کی عدل گستری سے فیض یاب ہوتے آپؐ نے اپنوں ہی کے لئے نہیں بلکہ غیروں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا برتاؤ کیا۔

اسلامی معاشرے میں سب سے بڑا قاضی خود انسان کا اپنا ضمیر ہے جو بہت سے معاملات کا خود فیصلہ کردیتا ہے' تاہم معاہدہ کی کسی شق کی تعبیر میں فریقین کے درمیان اختلاف رائے بھی ہوسکتا ہے' یہاں قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے' قاضی کے سامنے دونوں فریق اپنا معاملہ تمام حقائق کے ساتھ ٹھیک طریقے سے بیان کردیتے ہیں' جس کے بعد قاضی اپنے ایمان علم اور بصیرت کے مطابق فیصلہ کردیتا ہے' یہ دونوں صورتیں تو بہت سادہ' سہل اور عام فہم ہیں

لیکن عدل کے ضمن میں ایک تیسری صورت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب فریقین میں سے کوئی ایک یا دونوں ضد، عداوت، ہٹ دھرمی اور بدنیتی کے ساتھ قاضی کے سامنے معاملہ لے جائیں، حقائق چھپائیں، توڑ مروڑ کر پیش کریں، مبالغہ آرائی کریں، واقعات میں رنگ آمیزی کریں، یا جذباتی فضاء پیدا کریں، ان حالات میں ضروری ہوجاتا ہے کہ فریقین کے علاوہ کسی تیسرے عنصر کو بھی شامل مقدمہ کیا جائے تاکہ قاضی کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہوجائے تیسرا فریق گواہ کہلاتا ہے، گواہ کی ضرورت اگرچہ دوسری صورت میں بھی پیش آسکتی ہے، جہاں فریقین کے درمیان تعبیر میں فرق کی وجہ سے اختلاف رائے پیدا ہوجاتا ہے تاہم تیسری صورت میں تو گواہ بہت اہم ہے، اور تمام مقدمے کا دارومدار گواہ کے بیان ہی پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل وقضا میں گواہی کی ازحد اہمیت ہے۔ جس، ے لئے باقاعدہ احکام نازل کئے گئے ہیں۔ قرآن وسنت میں گواہی کی ضرورت واہمیت پر تفصیلی احکام موجود ہیں انہی احکام کی روشنی میں خلفائے راشدین کے دور کے ایک مشہور قاضی شریح نے گواہی کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے "فریق مقدمہ قاضی کے لئے بیماری ہے اس بیماری کی دوا گواہ ہیں" (۲)

گواہی کی جو عام فہم اہمیت ان الفاظ میں ہے وہ مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ دوا صحیح اور خالص اجزاء سے تیار ہو تو پھر بیماری دور ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، دوا کا انتخاب غلط ہو، غلط مرض کے لئے دوا حاصل کی جائے تو افاقہ نہیں ہوتا، یہی صورت مقدمہ میں پیش آتی ہے جو مرض ہے اس کی دوا گواہ ہیں، وہ سچ بولیں تو مقدمہ صحیح فیصلے پر منتج ہوتا ہے، سچ چھپائیں تو مقدمہ تو شاید کسی نہ کسی سطح پر ختم ہوجائے لیکن فریقین کے درمیان نہ نزاع ختم ہوگا اور نہ صحیح فیصلہ ممکن ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں گواہی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اس لئے کہ صحیح اور عدل پر مبنی فیصلے کا دارومدار سچی شہادت پر منحصر ہے۔ قرآن وسنت دونوں میں شہادت کی اہمیت بہت زوردار الفاظ میں آئی ہے، قرآن میں ایک جگہ اللہ جل شانہ، نے فرمایا:

یایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلوا إعدلوا ھو اقرب للتقوی (سورۃ المائدۃ ۵:۸) (۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"

اس آیت میں مومنین کی تربیت کی جارہی ہے۔ مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ سچی گواہی کو ساری زندگی کا معمول بنادینے کا حکم دیا جارہا ہے اور یہ رویہ زندگی کے ہر میدان مین مطلوب ہے، اس آیت میں انسانی شخصیت کی تعمیر عدل کی بنیادوں پر استوار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عام زندگی میں ہر انسان عدل وانصاف کا دعوے دار ہوتا ہے لیکن جب اس کے اپنے قرابت داروں کا معاملہ ہو تو پھر وہ تامل کا رویہ بھی اپنا سکتا ہے، اس لئے ایک دوسری آیت میں گزشتہ

آیت کے حکم کو مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان نہ صرف دوسروں کے معاملے میں بلکہ اپنے قرابتداروں کے بارے بھی وہی کچھ بیان کرے جو حقیقت کے مطابق ہو۔ قرآن حکیم میں آتا ہے:

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (سورۃ الانعام:۶:۱۵۲)(۴)

ترجمہ: ''اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ داری ہی کا کیوں نہ ہو''

دوسری جگہ آتا ہے:

ولاتلبسوا الحق بالباطل ولا تکتموا الحق وانتم تعلمون (سورۃ البقرہ:۲:۴۲)(۵)

ترجمہ: ''اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ مت ملاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو مت چھپاؤ''

گواہی کے بعد بڑا نازک اور اہم مرحلہ گواہی پر قائم رہنے کا آتا ہے۔ ممکن ہے ایک شخص گواہی دے اور بعد میں اس پر خاندان، قبیلے، ماحول یا کسی دوسری قسم کا دباؤ پڑے اور وہ گواہی سے منحرف ہو جیئے، یہ دباؤ لالچ کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، اس کی ایک صورت دھمکی کی ہوسکتی ہے، اخلاقی دباؤ بھی ممکن ہے۔ اس کی کوئی اور شکل بھی ممکن ہے ان تمام حالات میں ثابت قدمی بہت مشکل کام ہے، گواہ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ جو اس کے علم میں ہو بلاکم وکاست بیان کردے، فیصلہ قاضی پر چھوڑ دے اور نتائج اللہ کے حوالے کردے۔ نہ تو اس کے نتائج پر فکرمند ہو اور نہ اس کے علاوہ سوچ بچار کرے۔ کیونکہ عدالتی زندگی میں گواہی ایک میکانکی عمل ہے جس میں جذبات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم میں جنت میں رہنے والے جن افراد کا ذکر ہے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو سچی گواہی دینے والے اور اس پر قائم رہنے والے ہیں فرمایا: والذین هم بشهدتهم قائمون (سورۃ المعارج۔۷۰:۳۳)(۶)

ترجمہ: ''اور جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں''

اس وجہ سے حدود و قصاص میں عورت کی شہادت عدم مقبول ہے اس لئے کہ عورت لطیف احساسات کی حامل ہے جبکہ حدود کی سزائیں کڑی اور سخت نوعیت کی ہوتی ہیں۔ مثلاً زنا کے مجرم کے لئے حد میں ۱۰۰ کوڑوں کی سزا ہے اگر وہ غیر شادی شدہ ہے اور عورت اپنی فطری ہمدردی کے تحت کسی کو دکھ یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اگر وہ زنا کی شہادت دے گی تو اسی جذبہ ہمدردی کے تحت وہ مجرم کو بچانا چاہے گی اور غلط بیانی سے کام لے گی تاکہ کسی کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے جبکہ مرد اکڑ اور سخت مزاج ہوتے ہیں۔ جبکہ عورت بزدل ہوتی ہے اور ذرا سی دھمکی سے گھبرا جاتی ہے، عورت میں لچک ہوتی ہے اسے گواہی سے پھیرنے پر یا رجوع کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے جبکہ مرد بے خوف گواہی دیتا ہے کسی کی پرواہ نہیں کرتا حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی اسے پرواہ نہیں ہوتی اگر وہ باکردار اور شرائط شہادت پر پورا اترتا ہو تو اس کی شہادت مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے میں مدد دیتی ہے اور شہادت کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حدود و قصاص میں عورت کی شہادت کو قبول نہیں کیا جاتا اس لئے کہ انصاف کے حصول کیلئے شہادت کا سچا ہونا ضروری ہے جو بھی شہادت

دے تو وہ اللہ کیلئے سچی شہادت دے کیونکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے معاشرے کے اندر امن وامان کے قیام اور انسانی شخصیت کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء کا جامع نظام وضع کیا ہے اس میں جان' مال' آبرو' عقل' نسب اور آزادی وغیرہ کی حافظت کی ضمانت دیتے ہوئے عدل اور انصاف کو کلیدی اہمیت دی گئی ہے اور جگہ بہ جگہ اس کیلئے احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں جملہ اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے ''اللہ ہی کیلئے گواہی دیں'' (سورۃ النسآ: ۴:۱۳۵) (۷)

اس لئے صرف اس کی خوشنودی کے لئے احساس ذمہ داری کے ساتھ بالکل صحیح واقعات اور حقائق کا اظہار کریں۔ کیونکہ کسی بھی نظام عدل میں ''شہادت'' کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو حاصل ہے' اس لئے کہ شہادت ہی کی بنیاد پر دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ گواہی دو طرح کی ہوسکتی ہے' اتفاقی' جس میں کسی شخص نے بلاارادہ کچھ دیکھا یا اس کے علم میں کوئی بات آ گئی' اور اکتسابی' جس میں ارادے کے ساتھ کسی معاملہ میں آدمی شریک ہوکر مشاہدے کرے یا علم حاصل کرے ان دونوں صورتوں میں ضرورت پڑنے پر گواہی دینا فرض ہے' نہ انکار کرنا درست ہے اور نہ لیت ولعل کا رویہ اختیار کرنا اللہ کو پسند ہے۔ اس بارے میں تین احکام بہت اہم ہیں پہلے گواہی کے بارے میں بنیادی بات کہی کہ اس کا چھپانا گنا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ (سورۃ البقرہ ۲:۲۸۳) (۸)

ترجمہ: اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہوگا''

یہ حکم گواہی کی تمام قسموں کا احاطہ کرتا ہے' دوسری جگہ اتفاقی گواہی کے بارے میں حکم نازل ہوا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

ومن اظلم ممن کتم شھادۃ عندہ من اللہ (سورۃ البقرہ' ۲:۱۴۰) (۹)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے''

اس لئے کہ شہادت بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے یعنی یہ کہ اگر کسی بندے سے کسی واقعے کے بارے میں دریافت کیا جائے اور وہ اپنے مشاہدے کے ذریعے حقائق کو جانتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنے علم ومشاہدے کے مطابق صحیح صحیح بات حاکم مجاز کی عدالت میں بیان کردے' اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا عدل تو بہت بعد کی بات ہے گواہ کا ابتداً گواہی چھپانا ہی عدل کے منافی ہے گواہی کے چھپاتے ہی ظلم کا آغاز ہوجاتا ہے اور عقل کہتی ہے کہ اس ظلم کے نتیجے میں قاضی کا فیصلہ ظاہر ہے غلط ہوگا جس کا ذمہ دار گواہی چھپانے والا ہے۔

دوسری گواہی اکتسابی یا بالارادہ ہوتی ہے اس کے بارے میں بھی اللہ کا فرمان ان الفاظ میں ہے:

ولایاب الشھداء اذا مادعوا (سورۃ البقرہ ۲:۲۸)

ترجمہ: جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں''

یہ فرمان اللہ کی خواہش ہی نہیں حکم بھی ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۳ میں بیان ہوا ہے کہ جو گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔ چونکہ اسلام میں شہادت کو بہت اہمیت حاصل ہے اس لئے اسلام الزامات کے ثبوت کے لئے شہادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ صحیح اور سچی شہادت دیتے رہیں خواہ وہ خود ان کے اور ان کے عزیز واقارب کے خلاف اور دشمن کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما۔ (سورۃ النساء ۴-۱۳۵) (۱۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ (سے ڈرتے ہوئے) کے لئے گواہی دو (یعنی سچی بات بیان کرو) اگر چہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین یا عزیز واقارب کے خلاف ہو اگر کوئی مالدار یا مفلس ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ نگہبان ہے۔''

شریعت اسلام میں شہادت دینا ایک اہم فریضہ اور بہترین عبادت ہے' چونکہ حقوق کا الزام اور عدل و انصاف کا خیال سچی شہادت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے بحکم قرآنی:

ولا تکتموا الشھادۃ سچی شہادت سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ کسی شخص کو گواہی کیلئے بلایا جائے اور وہ اس گواہی کو چھپائے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے جھوٹی گواہی دی شہادت کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں فرمان ہے (۱۲) ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا (۱۳) ترجمہ: ''جس وقت گواہوں کو بلایا جائے وہ انکار نہ کریں''

ربیع فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت یہ حالت کہ ایک آدمی بہت سے آدمیوں کے درمیان چکر لگاتا اور انہیں گواہ بننے کے لئے دعوت دیتا۔ مگر کوئی شخص گواہ بننا قبول نہ کرتا۔

<u>شہادت ایک ذمہ داری ہے</u>

شہادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد شاہد پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے شہادت دے' جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے تو ان حقوق میں جن کا تعلق محرماتِ معاملات سے ہو' مثلاً عورت کی طلاق' ظہار' ایلاء' وغیرہ جیسے افعال میں اجر خداوند کی خاطر شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے اس موقع پر بندوں میں سے کسی بندے کی طرف سے طلب شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی' البتہ ''حدود'' جیسا کہ زنا' چوری' شراب نوشی یا کسی عورت پر بدکاری کے الزام میں شاہد کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو پردہ پڑا رہنے دو اور چاہے تو ظاہر کردے۔

<u>شہادت کی اہمیت:</u> شہادت کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ''شھداء'' کی صفت سے موصوف

فرمایا۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ (۱۴)

وکذلک جعلنا کم وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس.

ترجمہ: ''ہم نے اسی طرح تم کو متوسط امت بنایا ہے تاکہ تم قیامت میں لوگوں پر شاہد ہوسکو''

مزید ارشاد خداوندی ہے "لا یضار کاتب ولا شھید" (۱۵) ترجمہ: ''نہ لکھنے والے کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ گواہ کو''

رسول کریمؐ کا ارشاد ہے اکرموا الشھود فان اللہ تعالٰی یحی الحقوق بھم (۱۶)

ترجمہ: ''یعنی شاھدوں کا اکرام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے حقوق کو زندہ کرتا ہے۔''

شہادت کا فلسفہ حکمت لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہے (۱۷)

حدیث شریف میں آتا ہے: اکرموا منازل الشھود فان اللہ یستخرج بھم الحقوق ویرفع بھم الظلم (۱۸) ترجمہ: ''گواہوں کا اکرام کرو کہ انکے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کے حقوق نکلواتا ہے اور ظلم کو ختم کرتا ہے یعنی اٹھاتا ہے۔''

''شہادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کے اموال' نفوس اور عزت وآبرو اور خون وغیرہ کی حفاظت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے گواہی کے لئے اپنا نام مبارک ''شہید'' کا انتخاب اس لئے فرمایا ہے کہ یہ ایک بہترین مہربانی کا کام ہے۔ (۱۹)

شہادت کی اہمیت کے پیش نظر اسلام قاضیوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ان شہادتوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں جو ان کے سامنے پیش ہوں اور صرف صریح اور سچی شہادتوں کو قبول کریں' چونکہ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ شہادت دیتے وقت یا ثبوت پیش کرتے وقت غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے: اس لئے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر متنبہ فرمایا:

ایک آیت میں برادران یوسفؑ کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے جنہوں نے حضرت یوسفؑ کی قمیص کو خود آلود کر کے ایک جھوٹی کہانی وضع کی تھی اور رو رو کر اسے بیان کیا تھا۔ (۲۰)

منافقین کا ذکر فرمایا کہ وہ ''اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں مگر جھوٹ بولتے ہیں'' (۲۱)

گویا محض قسم اور آہ وبکا وغیرہ معصومیت کی دلیل نہیں بن سکتے اسی طرح سنی سنائی بات سے قیاس کر کے نتیجہ نکالنا' پھر اسے گواہی کی شکل میں پیش کرنا' یہ سب ناپسندیدہ افعال ہیں حدیث میں آتا ہے:

من شھد علی مسلم شھادۃ لیس لھا بأھل فلیتبوا مقعدہ' من النار. (۲۲)

ترجمہ: جس شخص نے کسی مسلمان کے خلاف کوئی ایسی گواہی دی جس کا وہ اہل نہیں تھا تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے' شہادت کی اہمیت اور لوگوں کے حقوق کی بحالی کی خاطر اللہ اور رسولؐ نے جھوٹی گواہی سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

''شارع صلوات اللہ علیہ نے عادل شخص کی شہادت کو کسی موقع پر بھی رد نہیں کیا بلکہ اس کی شہادت کی عزت کی جیسے کہ ابوقتادہ کی ایک مشرک کو قتل کر دینے کے بارے میں ایک شخص کی شہادت مان لی۔ حضرت خزیمہؓ کی تنہا شہادت قبول فرمائی۔ رمضان کے چاند کی گواہی صرف ایک اعرابی کی معتبر مانی۔ جس نے لونڈی کی تنہا شہادت پر رضاعت کے ثابت ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ اکیلے تمیم کی خبر بھی معتبر مان لی جس نے ایک مخصوص امر کی شہادت دی تھی .... بلکہ اللہ نے فاسق کی خبر کی تردید کا بھی بغیر ثبوت اور دلیل کے حکم نہیں دیا۔ (۲۳)

اس سے اسلامی معاشرہ میں شہادت کی اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور شہادت کی اہمیت کا اندازہ حافظ ابن قیمؒ کے اس تجزیہ سے بھی بخوبی ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ضرورت کے مواقع پر ایسی شہادتیں بھی قبول ہوں گی جو عام حالات میں ناقابل قبول ہوتی ہیں، مثلاً اللہ نے سفر میں وصیت کے موقع پر ضرورت کے تحت دو غیر مسلم گواہوں کی گواہی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے مقصود اس قسم کے معاملات یا اس سے بھی اہم فیصلوں میں نشاندہی کرنا ہے جیسا تنہا عورتوں کی گواہی کا قبول کرنا ہے۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ اور فقہائے مدینہ نے بچوں کی شہادت کے مقابلے میں طرز عمل اختیار کیا ہے کہ جب ان بچوں کے مابین آپس میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے (یعنی عند ضرورت یہاں بچوں کی گواہی بھی قبول ہوگی) اس لئے کہ مرد بچوں کے ساتھ کھیلوں میں شریک نہیں ہوتے اگر ان بچوں کی اور تنہا عورتوں کو گواہی قبول نہ کی جائے تو بہت سے حقوق غلبہ ظن یا گواہوں کی قطعی صداقت کے باوجود ضائع معطل اور مہمل ہو جائیں گے۔

جو شریعت کامل ہو اور دنیا اور آخرت کے معاملے میں بندوں کے مصالح کو محیط و منظم ہو وہ اس قسم کے حق کو مہمل چھوڑ دے گی اور دلائل کے ظہور اور قوت کے باوجود اسے ضائع کر دے گی جبکہ اس سے بھی تر دلیل کے ساتھ اس نے فیصلے کو قبول کیا ہے۔ (۲۴)

اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے اور مادی اور روحانی زندگی میں ان کی رہنمائی کرتا ہے اس کے اصول وضوابط بین الاقوامی طور پر ہر دور اور ہر مقام کے لئے موزوں ہیں۔ اسلام انصاف پر بہت زور دیتا ہے، اسلامی قانون کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں۔ اسلام کا بنیادی اور اہم نظریہ یہ ہے کہ دوسروں کی حق تلفی نہ کی جائے اور ہر ایک کو اس کا حصہ ملے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اسلام نے کچھ قانونی اصول وضوابط مقرر کئے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے بطور جج یا قاضی کے فیصلے کئے، اور عدلیہ کو بہت اہمیت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ان اللہ یامرکم بالعدل و الاحسان (۲۵)

ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

کیونکہ عدالتیں وہ ادارے ہیں جہاں دکھی مظلوم لوگ ناانصافی اور ظلم کی شکایت لے کر آتے ہیں چاہے یہ ناانصافی اس کے ساتھ اپنے جیسے انسانوں کی ہو یا حکومت کے کسی کام سے ان کو نقصان پہنچا ہو۔ اسلام میں کوئی قانون سے بالاتر نہیں۔ عدلیہ میں انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اسلام نے ایک واضح اور صاف ستھرا قانون شہادت وضع کیا ہے تاکہ حقائق کو شہادتوں کے ذریعے ثابت کیا جاسکے اور ان کے مطابق انصاف پر مبنی فیصلے کئے جاسکیں اس قانون کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بے گناہ سزا سے بچ جائے اور گنہگار کو قرار واقعی سزا ملے۔

اسلامی نظام عدل اور شہادت کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی نظام عدل اور شہادت کا چولی دامن کا ساتھ ہے' اور اسلامی نظام عدل کو قائم کرنے کے لئے شہادت اور سچی شہادت لازم وملزوم ہے جس کے بغیر اسلامی معاشرے میں عدل قائم نہیں ہوسکتا۔

مراجع ومصادر

۱۔ سورۃ الحدید: ۵۷:۲۵

۲۔ قاسمی' اسلامی عدالت (اسلامی قوانین کا مجموعہ) قاسمی: مجاہد اسلام طبع لاہور' ادارہ معارف اسلامی ۱۹۹۱ء

۳۔ سورۃ المائدہ: ۵:۸ ۴۔ سورۃ الانعام: ۴:۱۵۲ ۵۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۸۲

۶۔ سورۃ المعارج: ۷۰:۳۳ ۷۔ سورۃ النساء ۴:۱۳۵ ۸۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۸۳

۹۔ سورۃ البقرہ ۲:۱۴۰ ۱۰۔ سورۃ البقرہ ۲ : ۲۸۲ ۱۱۔ سورۃ النساء ۴:۱۳۵

۱۲۔ علی بن ابی بکر الہیثمی: مجمع الزوائد ۴/۲۰۰ طبع ۱۳۔ سورۃ البقرۃ ۲:۲۸۲

۱۴۔ سورۃ البقرہ ۲:۱۴۳ ۱۵۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۸۲

۱۶۔ السرخسی' المبسوط ۱۶/۸۷ محمد بن احمد ادارۃ القرآن طبع کراچی ۱۴۱۰ء

۱۷۔ الطمر السی' ابن الحسن علی بن خلیل علاؤ الدین' "معین الاحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام" ص ۴۹ مطبعہ المیمدیہ سطن

۱۸۔ "معین الاحکام" ص ۷۰ حوالہ مذکورہ بالا

۱۹۔ حوالہ مذکورہ بالا ۲۰۔ سورۃ یوسف :۱۲/۱۶۔۱۸! ۲۱۔ سورۃ التوبہ ۹: ۴۲

۲۲۔ احمد بن حنبل' المسند ص ۴۹ طبع بیروت (سطن)

۲۳۔ امام شمس الدین' ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب الزرعی ایوب' المعروف بہ ابن القیم جوزی (مشتق اعلام الموقعین ۱/۸۱) طبع لاہور' ترجمہ دین محمدی مصنف محمد بن ابراہیم

۲۴۔ حوالہ مذکورہ بالا ۲۵۔ سورۃ النحل : ۱۶ : ۱۹